Pakistan Islamicus

An International Journal of Islamic and Social Sciences

(Bi-Annual)

Trilingual: Urdu, Arabic, and English

pISSN: 2789-9365 eISSN: 2790-4911

https://pakistanislamicus.com/index.php/home

Published by:

Muslim Intellectuals Research Center

Multan-Pakistan

website: www.mircpk.net

Copyright Muslim Intellectuals Research Center

All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

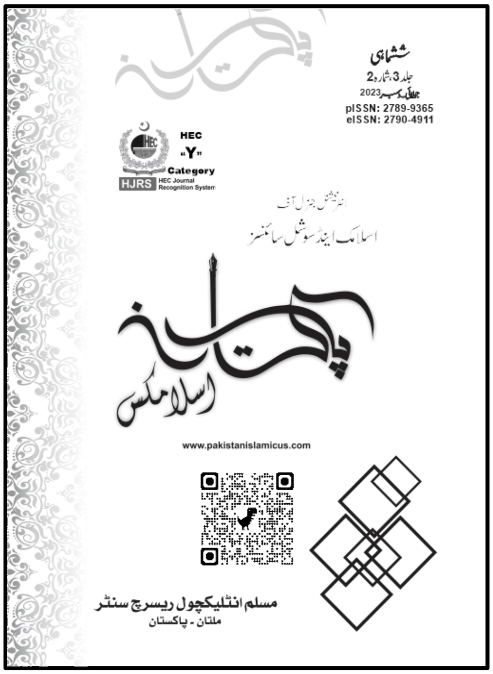

TOPIC

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں رواداری کی مختلف جہات: پاکستانی معاشرہ کے لیے اخذ و استفادہ کی صورتیں

VARIOUS TRENDS OF TOLERANCE IN THE LIGHT OF SEERAH OF THE HOLY PROPHET (MAY ALLAH BLESS AND PEACE BE UPON HIM): FORMS OF DERIVATION AND USE CASES FOR THE PAKISTANI SOCIETY

AUTHORS

Faridah Yousuf

Associate Professor

Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan, Punjab, Pakistan.

faridahyousuf@bzu.edu.pk

How to Cite

Faridah Yousuf. 2023.

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں رواداری کی مختلف جہات: پاکستانی معاشرہ کے لیے اخذ و استفادہ کی صورتیں

"VARIOUS TRENDS OF TOLERANCE IN THE LIGHT OF SEERAH OF THE HOLY PROPHET (MAY ALLAH BLESS AND PEACE BE UPON HIM): FORMS OF DERIVATION AND USE CASES FOR THE PAKISTANI SOCIETY".

PAKISTAN ISLAMICUS (An International Journal of Islamic & Social Sciences) 3 (2): 78-94.

https://pakistanislamicus.com/index.php/home/article/view/85

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں رواداری کی مختلف جہات: پاکستانی معاشرہ کے لیے اخذ و استفادہ کی صورتیں

VARIOUS TRENDS OF TOLERANCE IN THE LIGHT OF SEERAH OF THE HOLY PROPHET (MAY ALLAH BLESS AND PEACE BE UPON HIM): FORMS OF DERIVATION AND USE CASES FOR THE PAKISTANI SOCIETY

Faridah Yousuf
Associate Professor
Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan, Punjab, Pakistan.
faridahyousuf@bzu.edu.pk

Abstract

Tolerance is a core value of collectivism and the basic need of a society. From the beginning of the creation, there has been a practice of promoting high values in societies. From the study of history, it is known that the societies that taught high values under the religious concept proved to be more effective. The concept of morality is important in the teachings of Semitic and non-Semitic religions. However, in the last message of Allah, the importance of tolerance is seen very much. The teachings of Islam emphasize tolerance. This study aims to explore the various aspects of tolerance in the light of the Seerah of the Prophet Muhammad (May Allah Bless and Peace be Upon Him). Basically, there are two sides to tolerance. One is to what extent and how should the behavior of tolerance be done while being in the position of being weak or oppressed? And on what occasions should the manifestation of tolerance be done when the other is powerful in authority? If Hazrat Muhammad Mustafa ﷺ is seen as a human being in the Meccan and Medinan period, then he is the most perfect example of tolerance. This study aims to highlight those morality-based incidents of the Prophet Muhammad's (May Allah Bless and Peace be Upon Him) life which today's Muslims take as a guide not only in their daily but also in practical life. So that the image of a peaceful Islamic society can be presented to the Pakistani society.

Keywords: Holy Prophet, Seerah, Various Trends, Tolerance, Derivation, Pakistani Society.

رواداری اجتماعیت کے لیے بنیادی قدر ہے۔ انسان کے معاشرتی حیوان ہونے کے باوصف رواداری اس کی بنیادی ضرورت ہے۔ آغازِ آفرینش سے معاشروں میں اعلی اقدار کی ترویج و اشاعت کا رواج رہا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن معاشروں نے مذہبی تصور کے تحت اعلیٰ اقدار کی تعلیم دی وہیں اعلی اقدار زیادہ مؤثر ثابت ہوئیں۔ سامی و غیر سامی ادیان کی تعلیمات میں اخلاقِ فاضلہ کو اہمیت حاصل ہے۔ تاہم اللہ کے

آخری پیغام میں رواداری کی اہمیت بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ قرآنِ صامت و قرآنِ ناطق؛ دونوں نصوص میں روداری یا برداشت کی تاکید ہے۔ فی الوقت رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ وکاملہ کی روشنی میں رواداری کی مختلف جہات کا عملی استفادہ کی غرض سے مطالعہ مقصود ہے۔

بنیادی طور پر رواداری کے دورخ نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ کمزور یا مظلوم کی حیثیت میں ہوتے ہوئے رواداری کا برتاؤ کس حد تک اور کس طرح کیا جانا چاہیے۔ دوسرا طاقتور یا صاحب اختیار ہوتے ہوئے رواداری یا تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کس طرح اور کن مواقع پر کیا جانا لازم ہے۔ مکی عہد میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بطورِ انسان دیکھا جائے تو آپ ﷺ انسانیت کا اکمل ترین نمونہ ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور کے انفرادی واقعات ہوں یا شعب ابی طالب کی اجتماعی مظلومیت ہو۔ اس درجہ ظلم کے باوجود رواداری اس حد تک ہے کہ نہ صرف خود اس پر قائم ہیں، بلکہ اپنے اصحاب کو اپنے غیر مسلم اقرباو متعلقین کے ساتھ رواداری کی تلقین فرماتے ہیں۔ عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کے بازاروں میں تبلیغ کے دوران الزامات، ظلم، تشدد اور مخالفت کے طوفانوں کے جواب میں رواداری کے متنوع مظاہرے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ کی حیثیت مضبوط بھی رہی مگر رواداری کے مظاہر میں کمی نہیں آئی۔ اہل مکہ کے قحط کا معاملہ ہو یا مدینہ کے منافقین سے صرف نظر: رواداری کے مظاہر ہیں۔

سیرت النبی میں رواداری کے درج بالا اسلوب کے علاوہ ہم مذہب اور دیگر اہلِ مذاہب کے ضمن میں بھی رواداری کا مطالعہ ممکن ہے۔ کیونکہ عصرِ حاضر میں دنیا کے تقریباً ہر ملک میں مسلم و غیر مسلم رہائش پذیر ہیں۔ سیرت طیبہ میں یہ راہ نمائی بھی ملتی ہے۔ اگرچہ فطری طور پر ہم مذہب افراد کے ساتھ رواداری نسبتاً قابلِ عمل ہے مگر سیرت الرسول میں دیگر مذاہب کے حاملین کے ساتھ بھی رواداری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ مکی عہد میں مشرکین کے ساتھ تعلقات میں نرمی اور برداشت کا معاملہ رہا، تو مدینہ میں تشریف لانے کے بعد یہود و نصاریٰ اور منافقین کے ساتھ برداشت اور رواداری کا رویہ رہا۔ وفد نجران ہو یا یہودی کا جنازہ، رواداری کا معاملہ فرمایا۔

سیرت النبی ایسا منارۂ نور ہے کہ اس سے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ عائلی معاملات ہوں یا خانگی، حتی کے طلاق و خلع کے معاملات میں حسنِ انجام کی تلقین نظر آتی ہے۔ سماجی ذمہ داریوں کے اعتبار سے بھی سیرت سے رواداری کا درس ملتا ہے۔ ہر انسان کے لیے بحیثیتِ فرد، اہل خاندان، ہمسایہ، رفیق کار، مقنن یا منتظم کی حیثیت سے بطورِ نمونۂ عمل راہ نمائی سیرت طیبہ سے لینا لازمۂ ایمان ہے۔ ضرورت اس سے عملی استفادہ کی ہے۔ زیر نظر مقالہ کی تحریر کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ افراتفری اور بدامنی کی صورتحال میں سیرت الرسول کے اس روشن باب

کی تذکیر کی جائے۔ سیرت طیبہ کے یہ رویے نئی اور پرانی نسلوں کو متعارف کرائے جائیں اور عملی زندگی میں ان نمونوں سے اخذ واستفادہ کی صورتوں کی وضاحت کی جائے۔ تاکہ پاکستانی معاشرہ پرامن اسلامی معاشرے کی تصویر پیش کر سکے۔

"رواداری" فارسی الاصل لفظ ہے تاہم اردو زبان میں عام مستعمل ہے۔ "روا" کا معنی جائز، درست ٹھیک سمجھنا[1] اور "داری" کا معنی رکھنا، لینا وغیرہ ہیں[2]۔ جبکہ "رواداری" کا مرکب صورت میں معنی ہے "کسی بات کو رعایت سے جائز سمجھنا، بے تعصبی اختیار کرنا[3]۔ دیگر اردو لغات میں بھی اسی طرح کے معنی مذکور ہیں[4]۔ ایک جگہ رواداری کی تعریف میں درج ہے

"مذہبی، دینی یا معاشرتی معاملات میں دوسروں کے ساتھ فراخ دلی اور وسیع الخیالی کا برتاؤ کسی دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنا، رعایت کا رویہ، تحمل، وضع داری کا اظہار، ہر کس وناکس سے یکساں برتاؤ اور نرمی کا سلوک کرنا رواداری کہلاتا ہے"[5]

عربی زبان میں اس رویہ کو بیان کرنے کے لیے حلم اور تسامح کے الفاظ آتے ہیں۔ حلم کا معنی تاج العروس میں "ضبط النفس والطبع عن هيجان الغضب"[6] هیجان اور غصے کے وقت طبیعت کو روکنا حلم ہے۔ رواداری کا دوسرا عربی متبادل لفظ "تسامح" ہے۔ جس کا مادہ "سمح" ہے۔ لسان العرب کے مطابق، اس کا معنی کرم اور عطا کے ساتھ دینا یا کسی کے نفس کو تنگی کی حالت میں سہولت دینا ذکر کیا گیا ہے[7]۔ اسی اسلوب میں تسامح کا معنی تاج العروس میں بھی بیان کیا گیا ہے[8]۔ تسامح کو ایک جدید لغت میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ظرف، انس، ادب، تمکنت اور اختلاف برداشت کرنے کے اوصاف سے متصف ہو۔ انسان کو دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہوئے، اپنی رائے کو بیان کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو، خواہ

---

[1] فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات،، فیروز سنز لاہور، ص: 731
Feroz al dīn. Maulavī, Feroz al lughāt, Feroz Sons, Lahore, 731.

[2] ایضا، ص؛616
Ibid; 616

[3] ایضاً، ص؛731
Ibid; 731

[4] صدیقی، بشیر احمد، پروفیسر، جواہر اللغات، اردو کتابستان پبلشنگ کمپنی، لاہور، س ن، ص:397
Siddiqui, Bashīr Aḥmad, Prof, Jawāhar al Lughāt, Urdu Kitābistān Publishing Company, Lahore,397

[5] مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، سطاحی پریس لکھنو، ج:1، ص؛101، س ن
Muhazzab Lakhnavī, Muhazzab al Lughāt, Lakhnao, Vol 1, 101.

[6] الزبیدی، محمد بن محمد عبد الرزاق، ابو الفیض، تاج العروس، دار الهدایہ، ج:31، ص:527
Al Zubaidī, Muḥammad nin Muḥammad ʿAbd al Razzāq, Tāj al ʿUrūs, Dār al Hidāyah, Vol 31, 527

[7] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، الطبع الثالثہ، 1414ھ، ج:2، ص:489
Ibn e Manzoor, Muḥammad bin Mukarram, Lisān al ʿArab, Dār Ṣādir, Beirut, Vol 2, 489

[8] الزبیدی، تاج العروس، ج:6، ص؛484
Al Zubaidī, Tāj al ʿUrūs, Vol 6,484

اس کی رائے دوسرے کی رائے کے متضاد ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف نے ایک اور مصنف گوبلو کی رائے بیان کی کہ انسان پر لازم نہیں کہ وہ اپنے عقیدے کو چھوڑ دے، یا اس کے اظہار سے رک جائے، یا اس کا دفاع نہ کرے، یا اس پر قائم نہ رہے۔ بلکہ اس پر صرف یہ لازم ہے کہ وہ یہ سب کرتے ہوئے جھوٹ، دھوکہ، فریب اور طاقت کا استعمال نہ کرے[9]۔ امام محمد طاہر عاشور نے تسامح کا مفہوم لغت کے اعتبار سے بیان کیا ہے کہ تسامح مصدر ہے۔ سامحہ کا مطلب یہ کہ جب کوئی کسی کے لیے بڑھ کر کرے۔ یہاں باب تفاعل کی جانبین والی صفت مفقود ہے۔ لہٰذا فعل میں مبالغہ ہونا لازم ہے۔ جیسا کہ اللہ سے کسی کی حفاظت کی دعا میں مبالغہ ظاہر ہے۔ معلوم ہوا کہ تسامح (رواداری) کی اصطلاح کو علمانے پچھلی صدی کے اخری دور میں بطور اصطلاح استعمال کرنا شروع کیا اور اس کو حدیث نبوی (**بعثت بالحنفة السمحة**[10]) سے اخذ کیا[11]۔

انگریزی زبان میں اس رویے کے لیے "Tolerance" کا لفظ معروف ہے۔ اس کا معنی انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق، اپنے سے مختلف جذبات، عادات اور عقائد کو برداشت کرنے کی آمادگی ہے[12]۔ ایک لغت کے مطابق "Tolerance" کا مطلب کسی معیار سے ممکنہ حد تک انحراف کرنا ہے[13]۔ عصرِ حاضر میں رواداری کے لیے انگریزی میں "Tolerance" سے زیادہ "Pluralism" کی اصطلاح ذکر کی جارہی ہے۔ جس کا معنی تکثیریت ہے۔ یعنی اپنی رائے یا نظریے پر قائم رہتے ہوئے معاشرے کے لیے ایک سے زیادہ نظریات، آرا یا افکار کو قبول کرنا۔ مریم ویبسٹر ڈکشنری میں پلورزم کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ کسی معاشرے کی ایسی حالت جس میں متعدد گروہ جو متنوع نسلی، مذہبی معاشرتی رسوم ورواج سے تعلق رکھتے ہوئے ایک مشترکہ تہذیب کو تشکیل دیتے ہوں[14]۔ کیمبرج ڈکشنری میں "pluralism" کی سادہ تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ مختلف طرح کے لوگ جو مختلف عقائد و نظریات کے حامل ہوں، مشترکہ معاشرے میں رہتے ہوں[15]۔ ان تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تکثیریت میں برداشت کی نسبت

---

[9] جمیل صلیبا، الدکتور، المعجم الفلسفی، دار الکتاب البنانی، بیروت، لبنان، س ن، ج:1، ص 271

Jamīl, Dr. Al Muʿjam al falsafī, Dār al Kitāb Beirut, Labonan, Vol 1, 271

[10] احمد بن حنبل، ابوعبداللہ، مسند احمد بن حنبل، الطبع الاولیٰ، مؤسسۃ الرسالہ، 2001، ج:36، ص:624، رقم الحدیث:22291

Aḥmad Ibn Ḥambal, Musnad Aḥmad Ibn Ḥambal, Vol 36, p. 624, Ḥadīth no, 22291

[11] ابن عاشور، محمد الطاہر، امام، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، الطبع الثانیہ، المؤسسہ الوطنیہ للکتاب الجزائر، س ن، ص:226

Ibn e ʿĀshūr, Muḥammad al -Ṭāhir, Imām, Usūl al Niāẓm al Ijtmāʿī fī al Islām. Al Jazāir, 226

[12] Encyclopedia Brittanica, 1974, V: 10, p.400

[13] Tolerance, Mariyam Webester .com, 2019

[14] Plurasim, Mariyam Webester .com, accessed, July 02, 2023

[15] Cambridge Academic Content Dictionary, www.dictionary, Cambridge.org, accessed July, 02, 2023.

وسعت ہے۔ یعنی برداشت میں دوسرے کے مؤقف کے لیے ایک ناگواری کا احساس ہے۔ جبکہ تکثیریت میں دوسرے کے مؤقف کے لیے قبولیت کا تاثر ہے۔ نیز سیرت النبی اور رواداری میں برداشت کے بجائے دوسروں کے لیے معاشرتی سطح پر قبولیت کا سبق ملتا ہے۔

درج بالا تعریفوں کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ رواداری سے مراد برداشت، تحمل اور جذبات کے اظہار پر کنٹرول ہے۔ دوسرے کو اپنا نقطہء نظر رکھنے ،بیان کرنے اور اس کو ثابت کرنے کا حق دینا ہے۔ تاہم رواداری کا معنی غلط کو درست کہنا بھی نہیں ہے۔ مولانا مودودی نے رواداری کی وضاحت کی ہے کہ دوسرے کے ایسے عقائد یا اعمال جو ہمارے نزدیک غلط ہوں ان کو اس انداز سے برداشت کرنا کہ ان کو تکلیف دینے والی تنقید نہ کرنا اور ان کو زبردستی اپنا مؤقف تبدیل کرنے پر مجبور نہ کرنا رواداری ہے۔ جبکہ ایک نظریے یا مؤقف پر قائم ہوتے ہوئے اس کے متضاد مؤقف کو درست کہنا منافقت ہے [16]۔ گویا رواداری ایسے برتاؤ کا نام ہے جو اعلی اخلاق یعنی صبر ،علم و حلم ،عاجزی و انکساری، عفو و درگذر اور برداشت کے حامل انسان سے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں رواداری کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ جیسا کہ یہ معلوم ہے کہ یہ فارسی الاصل ہے۔ تاہم رواداری کے وصف کو ظاہر کرنے کے لیے دیگر عربی الاصل اوصاف کا ذکر متعدد بار آتا ہے۔

رواداری کا سب سے زیادہ اظہار حریت سے ہوتا ہے۔ کسی بھی معاملے میں زبردستی نہ کرنا۔ قرآن نے جبر و اکراہ کی ممانعت کی ہے۔ حتی کہ دین کے معاملے میں بھی جبر و اکراہ کی اجازت نہیں ہے [17]۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہدایت گمراہی سے واضح طور پر الگ ہو چکی ہے۔ لہٰذا دینِ ہدایت کو قبول کرنے یا نا کرنے کا اللہ نے اختیار دیا ہے۔ اور قبول کرنے والے کے لیے فلاح کا وعدہ فرمایا ہے مگر زبردستی لوگوں کو دین میں داخل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جیسا کہ مکی عہد کی سورت میں بھی دعوت دینے کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا جاتا ہے، کہ جس دین کی دعوت دی جارہی ہے بلاشبہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ تاہم اگر تم اس کو قبول نہیں کرنا چاہتے تو تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے [18]۔ یعنی قبول کرنے کی دعوت ہے۔ زبردستی نہیں۔ یہ اللہ العالمین کی طرف سے رواداری کا اظہار ہے کہ اگرچہ وہ مالک و خالق اور رازق ہے۔ مگر پھر بھی اس کو تسلیم نہ کرنے والوں کو بھی دنیا میں کسی قسم کی

---

[16] مودودی، ابوالاعلی، مولانا، تفہیمات، حصہ اول، 1961، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص:109

Maudūdī, abū al Aʿalā, Maulānā, Tafhīmāt, Vol 1, 109.

[17] لااکراہ فی الدین۔ القرآن، البقرہ، 256:2

Al- Qur'ān, Al- Baqarah, 2:256

[18] لکم دینکم ولی دین۔ القرآن، الکافرون، 6:109

Al- Qur'ān, Al-Kāfirūn, 109:6

محرومی نہیں دیتا۔ اللہ اپنے قوانین کے مطابق کافر و مشرک کو بھی رزق، عروج، ترقی اور تمام نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ یہ بات اللہ نے بیان بھی فرمائی ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ اختلاف کرتے رہیں گے[19]۔ یعنی اللہ نے زبردستی ایسا نہیں کرنا چاہا۔ بلکہ یہ فرمادیا کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے[20]۔ ایک مقام پر اپنے رسول کی زبان سے بھی کہلوادیا کہ میں تو اپنے اللہ کی مخلص ہو کر عبادت کرتا ہوں، تم جس کی چاہو عبادت کرو[21]۔

قرآن نے صبر و برداشت کی بہت زیادہ تلقین کی ہے۔ قرآن نے اپنے رسولوں کو بھی صبر کی تلقین کی ہے۔ مکی عہد میں تبلیغ کے آغاز میں ہی اس روادارانہ پالیسی کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی کہ جو کچھ (تکذیب اور استہزا) یہ کہتے ہیں اس پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں[22]۔ خوش اسلوبی سے چھوڑنے کا معنی مفسرین نے واضح کیا ہے کہ ان کی بدکلامی، الزام تراشی، تکذیب اور طعن و تشنیع پر صبر کریں اور ان کو کوئی جواب نہ دیں۔ اپنی صلاحیتوں کو اس معاملے میں صرف نہ کریں، تاکہ تمام تر مساعی دعوت کے مقصد میں صرف ہوں۔ نیز یہ کہ ان کی تکالیف کا اگر جواب دیا جائے یا انتقام لیا جائے گا تو ان کو اللہ کا پیغام سنانا مشکل ہو جائے گا[23]۔ اس ضمن میں قرآن نے اس حد تک روادارانہ رویہ کی تلقین فرمائی کہ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنے والوں کو بھی برا نہ کہو کہ وہ پلٹ کر اللہ کو برا بھلا نہ کہہ دیں، محض دشمنی میں اور بغیر علم کے[24]۔ اگرچہ اللہ رب العالمین اور دیگر ارباب من دون اللہ بشمول بتوں میں کسی قسم کی مماثلت یا نسبت نہیں ہے۔ اللہ حق اور وہ باطل ہیں، مگر اس کے باوجود ان کو برا بھلا کہنے سے منع فرمانا روادارانہ اسلوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ رواداری کا مظہر ہے۔ مکی عہد میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے کفار کے مظالم برداشت کیے اور درگذر سے کام لیا۔ آغازِ اسلام میں جبر، زور اور زبردستی تو اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ کی گئی۔ مومنین کی صف اول میں آنے والے خواہ مکہ کے صاحبِ حیثیت ہوں جیسے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضور

---

[19] وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ القرآن، ھود، 118:11
Al- Qur'ān, Al-Hūd, 11, 118

[20] وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ القرآن، الکھف، 29:18
Al- Qur'ān, Al-Kahaf, 18:29

[21] قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي۔ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ القرآن، الزمر، 15:39، 14
Al- Qur'ān, Al-Zumur, 39:14-15

[22] وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا القرآن، المزمل، 10:73
Al- Qur'ān, Al-Muzmmil,73:10

[23] مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، اسلامک پبلیکشنز، لاہور، جلد 5،
Maudūdī, abū al Aʿalā, Maulānā, Tafhīm al Qur'ān, Islamic Publications, Lahore, Vol 5

[24] وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ القرآن، الانعام، 13:6
Al- Qur'ān, Al-Anām, 6:13

ﷺ کی چچی ام الفضل اور حضرت عمر کی بہن فاطمہ وغیرہ رضی اللہ عنھم ہیاوہ کمزور ہوں جیسے کہ حضرت بلال، حضرت عمار کا خاندان، حضرت سلیمان فارسی، حضرت زنیرہ وغیرہ سب کو جبر و تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ خود رسول اکرم ﷺ کو ہر طرح کی تکالیف دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کفار کی ایذا رسانی کے باعث نماز پہاڑ کی گھاٹیوں میں جاکر ادا فرماتے مگر رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام کی طرف سے جوابا بھی کسی کافر مشرک سے بد سلوکی یا بد زبانی کسی روایت میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کی تمام توجہ اپنے دین کی تبلیغ پر رہی۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ ہر ممکن موقع اور مقام پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔ عکاز، مجنہ اور ذوالمجاز، عہد جاھلیت کے بازار تھے۔ یہ بازار حج کے زمانہ میں پر رونق ہوتے تھے عرب ان میں تجارت کی غرض سے جاتے تھے۔ معجم البلدان میں ان بازاروں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ عکاز عرب کے دور جاھلیت کے بازاروں میں سے ایک بازار تھا۔ عرب حج کے موسم میں عکاز میں جمع ہوتے۔ امام اصمعی کے بقول عکاز اور طائف کے درمیان ایک رات کا اور عکاز اور مکہ کے درمیان تین رات کا فاصلہ ہے، جبکہ واقدی کے بقول عکاز نخلہ اور طایف کے درمیان واقع ہے۔ ذوالمجاز کا بازار عرفہ کے پیچھے ہے اور مجنہ کا بازار مرا الظہران کے قریب ہے۔ کہا گیا ہے کہ عرب شوال کے مہینے میں عکاز کے بازار میں قیام کرتے۔ پھر مجنہ کے بازار میں منتقل ہو جاتے اور دی قعد کے دس دن اس میں قیام کرتے اس کے بعد ذی المجاز کے بازار میں منتقل ہو جاتے اور ایام حج تک اس میں قیام کرتے[25]۔ اسلام آنے کے بعد مسلمانوں نے خیال کیا کہ یہ مشرکانہ بازار ہیں، ہمارا ان میں جانا غلط نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا فضل تلاش کرو

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ:"كَانَتْ عُكَاظُ، وَمَجَنَّةُ، وَذُو المَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الجَاهِلِيَّةِ، فَتَأَثَّمُوا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي المَوَاسِمِ، فَنَزَلَتْ: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} [البقرة: 198]. فِي مَوَاسِمِ الحَجِّ."[26]

نہ صرف اللہ نے ان بازاروں سے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ ان میں تبلیغ کے لیے بھی تشریف لے جاتے۔

---

[25] یاقوت حموی، شہاب الدین، ابوعبداللہ، معجم البلدان، دار صادر بیروت، الطبع الثانیہ، 1995ا، جز:2، ص:142

Yāqūt Ḥamavī, Shahāb al Dīn, abū ʿAbdullah, Mʿujam al- Buldān, Dār Ṣādir, Beirut, Vol 2,142

[26] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ، 1422ھ، ج:6، ص:27، رقم الحدیث:4519

Al-Bukhārī, Muḥammad bin Ismāīl, Al Jaamʿi al- Ṣaḥīḥ, Dār Tauq al Najjah, Vol-6, p. 27, 4519

"قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ رَبِيعَةُ بْنُ عِبَادٍ مِنْ بَنِي الدِّيلِ، وَكَانَ جَاهِلِيًّا قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فِي سُوقِ ذِي الْمَجَازِ، وَهُوَ يَقُولُ: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ تُفْلِحُوا ". وَالنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلَيْهِ، وَوَرَاءَهُ رَجُلٌ وَضِيءُ الْوَجْهِ، أَحْوَلُ ذُو غَدِيرَتَيْنِ يَقُولُ: إِنَّهُ صَابِئٌ كَاذِبٌ يَتْبَعُهُ حَيْثُ ذَهَبَ، فَسَأَلْتُ عَنْهُ، فَذَكَرُوا لِي نَسَبَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالُوا لِي: هَذَا عَمُّهُ أَبُو لَهَبٍ."[27]

ربیعہ بن عباد دیلی سے روایت ہے، وہ پہلے کافر تھے بعد میں مسلمان ہوئے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو اپنی دونوں آنکھوں سے سوق المجاز میں دیکھا، وہ فرمارہے تھے اے لوگو تم "لا الہ الا اللہ" کہو فلاح پالوگے۔ آنحضرت چھوٹے چھوٹے راستوں سے داخل ہوتے۔ میں نے کسی کو کچھ کہتے نہیں سنا، مگر وہ مسلسل کہہ رہے تھے اے لوگو تم "لا الہ الا اللہ" کہو فلاح پالوگے۔ البتہ آپ ﷺ کے پیچھے ایک بھینگا، روشن رو، مینڈھوں والا شخص کہہ رہا تھا کہ بے شک وہ دین سے منحرف جھوٹا شخص ہے۔ میں نے پوچھا یہ (دعوت دینے والا) کون ہے۔ انہوں (لوگوں) نے جواب دیا محمد بن عبد اللہ ﷺ اور وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا اسے جھٹلانے والا کون شخص ہے۔ تو انہوں نے کہا، اس کا چچا ابو لہب ہے[28]۔ اسی طرح عکاز کے بازار کے بارے میں بھی مسند احمد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عکاز کے بازار میں بھی جاتے اور لوگوں کو توحید کی تبلیغ کرتے تو ابو لہب پیچھے پیچھے جاتا اور لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو یہ (معاذ اللہ) گمراہ ہو چکا ہے اب تمہارے معبودوں کے بارے میں تمہیں گمراہ نہ کر دے[29]۔

---

[27] احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالہ، الطبعۃ الاولی، 2001، ج: 31، ص؛ 342، رقم الحدیث: 19004

Aḥmad Ibn Ḥambal, Musnad Aḥmad Ibn Ḥambal, Vol 36, p. 624, Ḥadīth no, 19004

[28] فضل الٰہی، پروفیسر، ڈاکٹر، دعوت دین کہاں دی جائے، دار النور، اسلام آباد، س ن، ص: 8

Fazal Ilāhī, Prof, Dr, Dawat e Dīn Kahan di jaaye, Dār al Nūr, Islamabad, 8.

[29] احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، رقم الحدیث: 18238

Aḥmad Ibn Ḥambal, Musnad Aḥmad Ibn Ḥambal, 18238

امام احمد، امام حاکم اور ابن حبان نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ دس سال تک حج کے موسم میں عکاز اور مجنہ میں لوگوں کے پیچھے ان کی رہائش گاہوں میں اور منیٰ میں ان کے قیام کی جگہوں میں جاتے رہے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے کون پناہ دیتا ہے؟ میری مدد کون کرتا ہے تاکہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچالوں، تو اس کے لیے جنت ہے۔ پس رسول اکرم ﷺ کسی کو مدد کرنے والا اور پناہ دینے والا نہ پاتے۔ یہاں تک کہ کوئی آدمی مصر یا یمن سے اپنے رشتہ داروں کے پاس آتا تو یہ لوگ اس کو کہتے کہ قریشی نوجوان سے بچنا وہ تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے۔ آنحضرت ﷺ ان کے خیموں کے درمیان دعوت دیتے ہوئے چلتے تو وہ لوگ آپ ﷺ کی طرف انگلیوں سے اشارے کرتے رہتے[30]۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ دس برس تک موانع و مسائل کی پرواہ کیے بغیر اپنے مقصد کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ اس ضمن میں ہر وقت اور ہر مقام پر تیار رہتے جہاں سے بھی کسی شخص تک کوئی بات پہنچانے کا امکان ہوتا آپ ﷺ کوشش کرتے۔ آپ کے مخالفین بھی اس جان فشانی سے آپ ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے جوابی کارروائی کرتے۔ مخالفت، تکذیب، طنز و طعنہ اور استہزا کرتے۔ مگر آپ ﷺ اس کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ مخالفین نے بے شمار رکاوٹیں کھڑی کیں حتی کہ ابو جہل اور ابو لہب آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتے، ہر اس شخص کو؛ جس سے بھی رسول اللہ مخاطب ہوتے آپ ﷺ کی بات سننے سے منع کرتے، آپ ﷺ کو نعوذ باللہ

پاگل، مجنوں، بے دین اور گمراہ کہتے رہتے، مگر رسول اللہ اس سب کا کوئی جواب نہ دیتے۔

صحابہ کرام کے انفرادی مصائب اور رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ کے دوران بے شمار مشکلات در پیش رہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دینے والے ہر شخص کو خواہ وہ کمزور تھا یا بااثر؛ مصائب اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مظالم اس حد تک ہوئے کہ دو بار مسلمانوں نے حبشہ کیطرف ہجرت کی۔ یعنی اپنے گھر اور وطن میں قیام بھی ممکن نہ رہا۔ مگر جب اہل مکہ نے حضور ﷺ کی جان کے دشمن بن کر بنو ہاشم و بنو مطلب سے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنے یا پھر سماجی مقاطعہ کو برداشت کرنے پر مجبور کیا تو حضرت ابو طالب بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ شعب ابی طالب میں آ گئے۔ تین سال کے اس محاصرے میں صورتحال یہ تھی کہ قریش نے اپنے ہی ان دونوں قبائل کے ساتھ رشتہ ناطہ، نشست و برخاست اور خرید و فروخت نہ کرنے کا معاہدہ کر کے کعبہ میں لٹکا دیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ باہر سے آنے والے تاجروں کو بھی اس بات پر رضامند کر لیا جاتا کہ وہ بنو ہاشم و بنو مطلب کو کچھ فروخت

[30] احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، رقم الحدیث: 14653

Aḥmad Ibn Ḥambal, Musnad Aḥmad Ibn Ḥambal,14653

نہیں کریں گے۔ اس مقصد کی خاطر باہر سے آنے والے تاجر بنو ہاشم و بنو مطلب سے پانچ دس گنا قیمت مانگیں گے اور جب وہ نہیں خرید پائیں گے تو کوئی کافر ان کا مال خرید لے گا۔ تین برس تک اسی طرح یہ مقاطعہ جاری رہا۔ بچوں کے فاقوں سے بلکنے کی آوازیں گھاٹی سے باہر تک سنائی دیتی تھیں[31]۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے ان سب تکالیف کو برداشت کیا مگر رواداری کا برتاؤ نہیں چھوڑا۔ شعب ابی طالب اجتماعی طور پر مظلومیت اور صبر ورواداری کی داستان ہے۔ مکہ کے نیک دل افراد کی مداخلت سے بالآخر یہ محاصرہ ختم ہوا، مگر اہل مکہ کے مظالم میں کمی نہ آئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنا پڑی۔

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت میں تبدیلی کے بعد رواداری کے اسالیب میں بھی تنوع نظر آتا ہے۔ بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آنے کے باوجود وہاں پہلے سے آباد قبائل کے ساتھ برابری کی سطح پر گفتگو کے ذریعے ریاستِ مدینہ کا نظام درست کرنے کی کوشش کی۔ مؤاخات اور میثاق مدینہ میں جہاں حکمت کے دیگر بے شمار خزائن ہیں وہیں یہ تحریری دستور رواداری کے بھی شاندار مظاہر ہیں۔ مؤاخات میں انصار اور مہاجرین کا اس حد تک اتفاق اور ایثار انصار کی قربانی کی عظیم مثال ہے۔ جبکہ میثاق مدینہ شہر میں موجود دیگر مذاہب کے حاملین کے ساتھ باہمی تعاون اور برداشت کا مظہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار، مہاجرین اور مدینہ میں موجود مشرکین، اور یہود کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ابن ھشام کی روایت کے مطابق یہ معاہدہ ہجرت کے پہلے سال کیا گیا[32]۔ مدینہ کی آبادی اس وقت دس ہزار تھی۔ جس میں سے نصف یہود تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس معاملے میں یہ بیان کیا ہے کہ ہجرت کے پہلے سال معاہدے کا نصف اول تحریر ہوا۔ جو مہاجرین اور انصار کے قبائل سے متعلق ہے۔ کیونکہ میثاق مدینہ میں مرکزی حیثیت رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔ انصار کے قبائل کا باہمی لڑائیوں سے کمزور ہو جانے کے باعث رسول اللہ کی مرکزی اور فیصلہ کن حیثیت کو تسلم کر لینا تو قابل قبول ہے۔ مگر یہود کی اس وقت مدینہ میں جو حیثیت تھی، نیز ان کو رسول اللہ ﷺ کے بنی اسماعیل سے ہونے کے باعث آپ ﷺ سے جو عناد تھا، اس کے باوصف یہ بات مبہم ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لاتے ہی وہ آپ کو ثالث اور حکم تسلیم کر لیں۔

---

[31] الاظہری، پیر کرم شاہ، ضیا النبی، ضیا القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1994، جلد دوم، ص: 385-381

Al Azharī, Pīr Karam Shah al Azharī, Zia al Nabī, Zia al Qur'ān Publications Lahore, Vol 2, 381-385

[32] ابن ھشام، عبد الملک، السیرہ النبویہ، شرکۃ مکتبہ و مطبع مصطفی البابی الحلابی، مصر، 1955، ج: 1، ص: 503

Ibn e Hashaam, ʿAbd al Malik, Al Seerah al Nabawiyyah, Egypt, Vol 1, 503

لہذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاہدے کا پہلا حصہ جو انصار اور مہاجرین سے متعلق ہے وہ تو پہلے سال ہی ہونا ممکن ہے، مگر یہود کے اس کو قبول کرنے کا امکان بدر کے بعد ہے۔ جبکہ بدر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی حیثیت یہود نے تسلیم کی[33]۔ دس ہزار کی آبادی میں کم و بیش پانچ سو کی تعداد میں ہونے کے باوجود رسول اللہ نے حکمت کے ساتھ مسلمانوں کو مدینہ کی ایک اہم قوت تسلیم کروایا، نیز اس وقت جب کہ کم از کم نوجوان مسلمانوں کو حضور ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا مگر اس معاہدے کو آپ ﷺ نے ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے نزدیک اس معاہدہ کی بہت اہمیت تھی، جو کہ دنیا کا پہلا تحریری دستور مانا گیا ہے[34]۔

میثاق مدینہ رسول اللہ ﷺ کے مکی دور کی مظلومیت کے برعکس قابل ذکر حیثیت میں رواداری کا نمونہ ہے۔ جس سے مدینہ کے رہنے والوں کو مرکزیت نصیب ہوئی۔ تیرہ سالہ مدنی عہد میں اکثر و بیشتر یہود کا رویہ رسول اللہ اور مسلمانوں کے ساتھ نخوت اور بد عہدی کا رہا مگر معاملات کے فیصلے ہوں، عام معاشرتی زندگی میں یہود کا رویہ یا دیگر معاملات: رسول اللہ کا ان کے ساتھ سلوک رواداری پر مبنی رہا۔ یہود کے بعد نصاریٰ کے ساتھ معاملات میں رواداری کا ایک اور نمونہ نظر آتا ہے۔ عام الوفود میں آپ ﷺ نے مختلف قبائل اور علاقوں کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھے۔ نجران کے عیسائی رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے بعد مدینہ آئے۔ اور مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی عبادت کرنے لگے۔ بعض مسلمانوں نے ان کو روکنا چاہا، مگر آپ ﷺ نے صحابہ کو ان کو منع کرنے سے روکا[35]۔ اہل نجران نے دعوت قبول نہ کی۔ اسلام اور نصرانیت کے مشترک امور کو بھی تسلیم نہ کیا۔ قرآن نے کہا کہ پھر ان کو مباہلہ کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی[36]۔ ان میں بعض حکیم اہل علم نے اپنے گروہ کو مباہلہ کرنے سے اس وجہ سے روکا کہ ان کو اپنی شکست کی صورت میں عذاب کا خوف ہوا اور انہوں نے مباہلہ بھی نہ کیا۔ جزیہ پر رضامند ہوئے۔ اپنی عبادت گاہ میں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے دینا مذہبی رواداری کی عظیم مثال ہے۔

---

[33] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، س ن، ص: 75-85

Muḥammad Ḥamīdullah, Dr. Ehd e Nabawī ka Nizaam e Hukmaraani, Karachi, 75-85

[34] ایضاً

Ibid.

[35] الازھری، ضیاالنبی، ج:4، ص: 648

Al Azharī, Zia al Nabī, Zia al Qur'ān Vol 4, 648

[36] القرآن، آل عمران، 61:3

Al Qur'ān, 61:3

رسول اللہ ﷺ کی رواداری کا ایک اور نمونہ صلح حدیبیہ کا ہے۔ کفار مکہ نے رسول اللہ کو امن کی یقین دہانی کروانے کے باوجود عمرہ سے روک دیا۔ آپ نے سفارت بھیجی، مگر انہوں نے تسلیم نہیں کی۔ پھر صلح کے لیے جو شرائط پیش کیں وہ یکطرفہ تھیں۔ بظاہر ان میں مسلمانوں کا سراسر نقصان تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان شرائط کو تسلیم کرنے کا اظہار کیا تو مسلمانوں میں انتہائی اضطراب تھا۔ حضرت عمر جیسے صحابی انتہائی بے چین تھے۔ اسی بے چینی میں انہوں نے حضرت ابو بکر سے عرض کی کہ کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر عرض کی کیا ہم حق پر نہیں؟ فرمایا بالکل ہیں۔ تو عرض کی کہ پھر ہم اتنا جھک کر صلح کیوں کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ خدا کا رسول ہوں اور اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے[37]۔ ایک جائز حق (عمرہ) سے روکے جانے کے باوجود، جبکہ وہ مقام ہر ایک کے عبادت کرنے کے لیے میسر ہے، صلح کر لینا، جائز حق سے رک جانا اور تمام تر مخالف کی مرضی کی شرائط پر معاہدہ کر لینا: تحمل اور رواداری کی ایسی مثال ہے جو کہ ہر مذہب و ملت کے ماننے والے کے لیے متاثر کن ہے۔ قیام امن کی خاطر مخالف کو فائدہ دینے والی شرائط کو قبول کرنے کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لاَ يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللَّهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا"[38]

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ کفار قریش مجھ سے جس بات کا سوال کریں گے اور اس مین اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی تعظیم کریں گے تو میں ان کی اس بات کو منظور کر لوں گا۔

طاقتور کی حیثیت سے رواداری کے مظاہرے کا ایک نمونہ غزوات و سرایا میں نظر آتا ہے۔ حصولِ فتح کے بعد مفتوحین سے رحم دلی کا وہ سلوک کرتے رہے جو اس دور میں رواج میں نہیں تھا۔ دوران جنگ عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے[39]۔ صحابہ کو کسی مہم پر روانہ فرماتے ہوئے ہدایات فرماتے جس سے رحم دلی اور امن کی خواہش ظاہر ہوتی ہے۔ صفوان بن عسال سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں ایک سریہ پر روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے نام سے سفر شروع کرنا۔ اللہ کی راہ میں ان سے (جہاد کرو) لڑو جنہوں نے کفر کیا مگر کسی کا مثلہ نہ کرو، خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا اور

---

[37] الازہری، ضیاالنبی، 4:149-150
Al Azharī, Zia al Nabī, Zia al Qur'ān Vol 4, 149-150

[38] البخاری، الجامع الصحیح، ج:3، ص:193، رقم الحدیث 2731
Al-Bukhārī, Al Jaam'i al- Ṣaḥīḥ, Vol 3,p, 193, Ḥadīth no 2731

[39] القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دار احیاالتراث العربی، بیروت، ج:1، ص:1364، رقم الحدیث:1744
Al Qushairī, Muslim bin Ḥujāj, Al Jaam'i al- Ṣaḥīḥ, Dār al Turāth al-'Arabī, Beirut, Vol 1, , Ḥadīth no1744

بچوں کو قتل نہ کرنا[40]۔ بدر میں حصولِ فتح کے بعد جب کہ کفار کے ان قیدیوں کو قتل کیا جا سکتا تھا جنہوں نے بے شمار مظالم ڈھائے تھے، فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔ غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر چند قیدیوں کو دھوپ میں کھڑے دیکھا تو فرمایا کہ اپنے قیدیوں سے اچھا سلوک کرو، ان کو راحت دو، ان کو پانی پلاؤ اور ان پر دو گرمیاں اسلحہ کی گرمی اور دھوپ کی گرمی جمع نہ کرو[41]۔ رسول اللہ ﷺ ان دشمنوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے ہدایات کر رہے ہیں جنہوں نے بدعہدی کی، غزوہ احزاب میں دشمنوں کے ساتھ مل کر عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی جان لینے کی بھی کوشش کی۔ فتح مکہ کے موقع پر ہدایات جاری فرمائیں کہ خبردار، جو میدان چھوڑ دے اس کو قتل نہ کرنا، کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کو امن ہے [42]۔ رسول اللہ ﷺ نے بہترین رواداری حکمت عملی سے اپنے تمام سیاسی مخالفین کے ساتھ معاملہ کیا۔ معاہدات کے ذریعے بعض کو اپنے گروہ کو نقصان پہنچانے سے باز رکھا اور بعض سے مقابلہ کیا اس طرح مخالفت کے زور کو توڑا اور اخر میں قریش پر اس طرح غلبہ حاصل کیا کہ بغیر خون بہائے مکہ فتح کر لیا۔ جو چند افراد مارے گئے اس میں یا تو ان کی طرف سے پہل ہوئی اور یا ان کی سزا ناگزیر تھی۔ مگر بے شمار بد ترین دشمنوں کو نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ ان کو مناسب عطا کیے۔ یہ غالب ہوتے ہوئے رواداری کا عظیم مظاہرہ ہے۔

عام معاشرتی زندگی کے معاملات میں بھی رسول اللہ کا اخلاق عفو درگذر اور رحم دلی کا رہا۔ مکہ کے میں قحط پڑا۔ اس سے لوگ اس حد تک مجبور ہو گئے کہ مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے۔ کفار مرنے لگے۔ قحط زدہ علاقے ویران پڑ گئے۔ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس ایا اور کہا کہ اپ صلہ رحمی کرتے ہیں مگر اپ کی قوم قحط سے مر رہی ہے اپ ان کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا بھی فرمائی اور مکہ والوں کی امداد کے لیے غلہ بھی بھیجا[43]۔ آپ ﷺ نے ان دشمنوں کے لیے غلہ بھیجا جنہوں نے اپ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں بھوکا رکھا اور اب بھی حالت جنگ میں تھے۔

---

[40] ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، دار احیا الکتب العربیہ، جز:2، ص:953، رقم الحدیث:2857

Ibn E Mājah, Muhammad bin Yazīd, Sunan ibn e Mājah, Dār Ihyā al Kutub, Vol 2, Ḥadīth no 2857

[41] الواقدی، محمد بن عمر، مغازی، دار الاعلمی، بیروت، 1409ھ، ج:2، ص:514

Al- Wāqdī, Muḥammad bin ʿUmar, Dār al ʿIlmī, Beirut, Vol 2, 514

[42] ابن ابی شیبہ، ابو بکر، عبداللہ بن محمد، المصنف فی الاحادیث والاثار، مکتبہ الرشد، ریاض، 1409ھ، ج:6، ص:498، رقم الحدیث33276

Ibn e abi Shaybah, Al Muṣannaf fī al Aḥādīth wa al Āathār, Al Riyāz, Vol 6, p, 498, Ḥadīth no33276

[43] البخاری، الجامع الصحیح، جز:2، ص:30، رقم الحدیث:1020

Al-Bukhārī, Al Jaamʿi al- Ṣaḥīḥ, Vol 2 ,p, 30, Ḥadīth no1020

مدینہ میں ایک بار رسول اللہ تشریف فرما تھے کہ ایک جنازہ گزرا آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جب بھی تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاو[44]۔ عام معاشرتی معاملات میں مسلم و غیر مسلم کے فرق کے بغیر ہر انسان کو عزت و توقیر سے نوازا۔ خوشی غمی میں ہر ایک کا خیال رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے رواداری برتنے کا ایک نمونہ منافقین کے ساتھ ہے۔ منافقین نے مدینہ ہجرت کے ساتھ ہی رسول اللہ اور اہل ایمان کے لیے مشکلات اور اذیت دینے کا رویہ جاری رکھا۔ ہر مشکل موقع پر پیٹھ پھیر لی، غزوہ احد کا موقع ہو یا خندق کا، دشمنوں کے ساتھ تعاون کر کے اندر سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کے رویے بھی جاری رکھے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر تو ہر حد پار ہو گئی۔ اس غزوہ سے واپسی پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان اختلاف ہوا۔ اس پر منافقین نے جھگڑا بڑھانے میں کردار ادا کیا اور پھر توہین آمیز جملے بھی کہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے (یعنی منافقین) نعوذ باللہ ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ عزت اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہے[45]۔ اس موقع پر نو عمر صحابی زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی ہرزہ سرائی کی اطلاع دی، اور جب رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابئ اور اس کے ساتھیوں کو تحقیقِ حال کے لیے طلب کیا تو انہوں نے حسب معمول قسمیں کھا کر انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو جانے دیا۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اس نو عمر صحابی کے جھوٹے ہونے کا شک نہیں تھا اور بعد میں اللہ کے کلام سے ان کی صداقت بھی ثابت ہوئی[46]۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بھی انتہائی حکمت اور رواداری کا اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ اس بارے میں مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

> " اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر قوم کا کوئی بڑا کوئی غلط اور بے ہودہ بات کہے تو اس کو مواخذہ نہیں کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بڑے کے پیروکار متنفر ہو جائیں اور ان کے عذر کو قبول کرنا چاہیے اور ان کی

---

[44] البخاری، الجامع الصحیح، ج:2، ص:85، رقم الحدیث:1311
Al-Bukhārī, Al Jaam'i al- Ṣaḥīḥ, Vol 2,p, 85, Ḥadīth no 1311

[45] القرآن، المنافقون، 8:61
Al Qur'ān, Al Munāfiqūn, 61:8

[46] البخاری، الجامع الصحیح، جز:6، ص:152، رقم الحدیث:4900
Al-Bukhārī, Al Jaam'i al- Ṣaḥīḥ, Vol 6,p, 152, Ḥadīth no 4900

قسموں کی تصدیق کرنی چاہیے خواہ قرائن اس کے خلاف ہوں، کیونکہ اس سے اس کے پیروکاروں کی تالیف قلب ہوگی اور وہ مانوس رہیں گے۔"[47]

نبی ﷺ کے حرم پر تہمت لگانے اور بعض مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا جرم بھی کیا۔ اگرچہ اس تہمت کے لغو ہونے کا بالعموم مسلمانوں کو یقین تھا نیز اس کے منافقانہ پس منظر کے باعث اس کا کذب ہونا اظہر من الشمس تھا مگر رسول اللہ نے اس موقع پر بھی صبر کیا اور وحی الٰہی نے اس تہمت سے بری فرمایا[48]۔ بلکہ مستقل طور پر مسلمانوں کے خلاف ایک مرکز تیار کرنے کے لیے مسجد ضرار بنائی۔ حتی کہ اللہ نے خود اس کو گرانے کا حکم دیا[49]۔ رسول اکرم ﷺ ان کے جرائم جاننے کے باوجود ان سے صرف نظر کرتے رہے اور صحابہ کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہے۔ یہاں تک کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے رئیس المنافقین کے اہل ایمان بیٹے نے خود اپنے منافق باپ کے قتل کی اجازت مانگی تو اس کو رحمی رشتے کی رعایت کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ حضرت عمر نے اجازت مانگی تو ان کو فرمایا کہ نہیں، ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کی گردنیں مار رہا ہے[50]۔ آپ ﷺ اس حد تک روادار تھے کہ اس دشمن کی وفات پر اس کے مومن بیٹے نے آپ ﷺ سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ تو آپ ﷺ نے وہ بھی پڑھادی۔ حتی کہ اللہ نے فرمایا کہ آئندہ آپ منافقوں کے لیے دعا نہ فرمائیں[51]۔

مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا سفیر بھیجا کہ اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے لہذا اپنی سلطنت میں مجھے شریک کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جھوٹے اور مرتد کو بھی کچھ نہیں کہا اور اس بارے میں اس دور کے عالمی قانون کی رعایت کی کہ سفیر کو قتل نہیں کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی تربیت بھی اس اسلوب میں کی۔ خلفائے راشدین کے ادوار بھی اس رحم، عفو و درگذر کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کی اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدمات تو بے شمار ہیں، مگر عہد خلافت میں حیرہ شہر فتح ہوا تو وہاں کے عیسائیوں سے یہ معاہدہ کیا کہ ان کے گرجے اور خانقاہیں نہ گرائی جائیں گی۔ ان کا وہ قصر بھی منہدم نہیں کیا جائے گا جہاں وہ دشمنوں سے بچنے کے لیے قلعہ بند ہوتے ہیں۔ ان کو

---

[47] سعیدی، غلام رسول، مفتی، تبیان القرآن، جلد:1 — Saeedī. Ghulām Rusūl, Tibyān al Qur'ān, Vol 1

[48] القرآن، النور، 11:24 — Al Qur'ān, Al Nūr, 24:11

[49] القرآن، التوبہ، 108:9 — Al Qur'ān, Al Taubah, 9:108

[50] بخاری، الجامع الصحیح، ج:6، ص:154، رقم الحدیث:4907 — Al-Bukhārī, Al Jaam'i al- Ṣaḥīḥ, Vol 6 ,p, 154, Ḥadīth no4907

[51] القرآن، التوبہ، 80:9 — Al Qur'ān, Al Taubah, 9:80

ناقوس اور گھنٹے بجانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے نہیں روکا جائے گا۔ بوڑھے اور مریض ذمی سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ ضرورت مند اہل الذمہ کی بیت المال سے مدد کی جائے گی[52]۔اسی نوعیت کی ہدایات حضرت عمر نے بعلبک کے لوگوں کو امان دیتے وقت لکھوائیں۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر حضرت عمر کا روادارانہ کردار تاریخ میں محفوظ ہے۔ عیسائیوں کو ہر طرح کی مراعات دیں۔ حتیٰ کہ فلسطین کے سفر کے موقع پر ایک بار حضرت عمر عیسائیوں کے ایک کلیسا میں موجود تھے۔ کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نماز کی ادائیگی کے لیے کلیسا سے باہر جانے لگے۔ وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہیں نماز ادا کر لیں۔ مگر حضرت عمر نے صرف اس وجہ سے انکار کر دیا کہ بعد کے لوگ میرے یہاں نماز ادا کرنے کی وجہ سے اس جگہ کو اپنی (مسجد) عبادت گاہ نہ بنالیں[53]۔ حضرت عمر نے مفتوحہ علاقوں کی اراضی نہ صرف وہاں کے باشندوں کے پاس رہنے دی اور فرمایا کہ وہ اس کام سے زیادہ واقف ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ وہ غلام نہ بنائے جائیں۔ غیر مسلموں سے زمین کا خریدنا بھی منع کر دیا۔ مالگذاری کے معاملات طے کرنے میں ان سے مشورہ بھی لیتے۔ عراق شام اور مصر کے دفتر مالگذاری کا حساب عربی کے بجائے وہیں کی زبانوں میں رکھا۔ اور اس کے لیے قطبی باشندے ہی متعین کیے[54]۔ خلفائے راشدین کے دور میں ذمی کی دیت مسلمان کے برابر تھی۔ حضرت عمر کے عہد میں ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا، حضرت عمر کو معلوم ہوا تو حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ ایسا کیا گیا اور حنین نامی قاتل کو مقتول کے وارثوں نے قتل کر دیا[55]۔ اسی طرح کا رویہ حضرت عثمان اور حضرت علی کا اپنے عہدِ حکومت میں رہا۔ حضرت عثمان نے شہادت قبول فرمالی مگر اپنے دفاع کے لیے بھی شہر رسول میں کسی کو تلوار نہ اٹھانے دی۔ حضرت عثمان اور حضرت علی نے اپنے ادوار میں باغیوں، مرتدوں، اور غیر مسلموں کی بغاوتوں کو دانش مندی اور صبر وبرداشت سے حل کرنے کی کوشش کی۔

مسلمانوں کے باہمی سیاسی مسائل سے قطع نظر اسلامی تاریخ میں عام رویہ رواداری کا رہا ہے۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف قبائل کے درمیاں رواداری کے سلوک میں کمی ممکن ہے مگر اسلامی تاریخ کے کسی بھی دور میں اہل الذمہ کے ساتھ کبھی غیر روادارانہ سلوک نہیں کیا گیا۔

[5252] صباح الدین بن عبد الرحمن، سید، اسلام میں مذہبی رواداری، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، 2009، ص:101

Ṣabāḥ al Dīn bin ʿAbd al Rahmān, Islam main mazhabi Rawadari, p, 101.

[53] Ameer Ali, Syed "A Short History of Saracens" 1916, Macmillan and co limited , London, p.40

[54] شبلی نعمانی، الفاروق، دار الاشاعت، کراچی، 1991، ص:209-199

Shiblī Nʿumānī, Al Fārūq, Karachi, 199-209

[55] ایضاً، ص:283

Ibid;283

خلفائے راشدین کے بعد کے ادوار؛ بنو امیہ، بنو عباس، اندلس کے اموی حکمران، بنو فاطمہ، سلجوق، ایوبی، ترکانِ عثمانیہ اور مغل ادوار میں بھی بالعموم حکمرانوں نے عدل وانصاف اور رواداری کو قائم رکھا۔ اس بات کا اندازہ مختلف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخوں اور مستشرقین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ موسیو لیبان ایک مسیحی مؤرخ نے صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کے بیت المقدس پر قبضے کے وقت کے ظلم وبربریت کا حضرت عمر کے عہد کے بیت المقدس کی فتح سے موازنہ کیا اور نوے سال بعد دوبارہ صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ قبضے کے وقت رواداری کے مظاہرے سے بھی موازنہ کیا[56]۔ ان سب ادوار میں مسلمانوں نے کبھی کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا۔

اور دیگر کئی مصنفین نے مسلمانوں کی رواداری کا اعتراف کیا ہے۔ مگر یہ سب ماضی کے روشن ابواب ہیں۔ عصر حاضر میں دنیا کے ایک گلوبل ویلیج بن جانے کے باعث اب رواداری کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر اب رواداری کے مظاہر اسی تناسب سے کہیں کم ہیں۔ آج سیرت النبی کی روشنی میں اس بات کی ضرورت ہے کہ امت کے افراد اور گروہ مسلمانوں کے باہمی معاملات میں اور دنیا کے دیگر اہل مذاہب کے ساتھ رواداری کے ساتھ زندگی گذاریں۔ صبر، برداشت، حلم، عفو ودرگذر کی آج ضرورت ماضی سے کہیں زیادہ ہے۔ لہذا سیرت کے مینارہ نور سے استفادہ از حد ضروری ہے۔

---

[56] صباح الدین، اسلام میں مذہبی رواداری، ص: 185

Ṣabāḥ al Dīn, Islam main Mazhabi Rawadari, p,185.